سورۃ الحاقہ

آیاتہا ۵۲ ۔ ۶۹ سُوۡرَۃُ الۡحَآقَّۃِ مَکِّیَّۃٌ ۷۸ ۔ رکوعاتہا ۲

تمام کے قول میں یہ سورت مکی ہے، اس کی اکاون آیات ہیں۔

ابوزاہریہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے سورۂ حاقہ کی گیارہ آیات کی تلاوت کی اسے دجال کے فتنہ سے پناہ دے دی گئی جس نے اس سورت کو پڑھا قیامت کے روز سر کے اوپر سے قدموں تک اس کے لیے نور ہوگا''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلۡحَآقَّۃُ ۙ﴿۱﴾ مَا الۡحَآقَّۃُ ۚ﴿۲﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحَآقَّۃُ ؕ﴿۳﴾

''وہ ہو کر رہنے والی، کیا ہے وہ ہو کر رہنے والی اور اے مخاطب! تم کیا سمجھو وہ ہو کر رہنے والی کیا ہے''۔

اَلۡحَآقَّۃُ ۙ﴿۱﴾ مَا الۡحَآقَّۃُ ﴿۲﴾ مراد قیامت ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا کیونکہ اس میں امور کو واقع کیا جائے گا؛ یہ طبری کا قول ہے گویا اسے لیل نائم کے باب سے بنایا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے حاقہ نام اس لیے دیا کیونکہ یہ بغیر کسی شک و شبہ کے واقع ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ اس نے بعض اقوام کے لیے جنت کو ثابت کیا اور کچھ اقوام کے لیے جہنم کو ثابت کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس میں ہر انسان اپنے عمل کی جزا کا حقدار ہو جائے گا۔ ازہری نے کہا: حاققتہ فحققتہ أحقہ میں نے اس پر غلبہ پانے کی کوشش کی تو میں اس پر غالب آ گیا۔ قیامت غالب آنے والی ہے کیونکہ یہ ہر اس فرد پر غالب آنے والی ہے جو باطل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین میں جھگڑا کرتا ہے۔ صحاح میں ہے: حاقہ اس سے جھگڑا کیا اور ان میں سے ہر ایک نے حق کا دعویٰ کیا جب اس پر غالب آ گیا تو کہا گیا۔ حقہ وہ آدمی جو حقیر چیزوں کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے: انہ لنزق الحقاق اور یہ کہا جاتا ہے: ما لہ فیہ حقٌ و حقاقٌ اس کا اس میں نہ کوئی حق ہے اور نہ ہی کوئی جھگڑا ہے۔ تحاق کا معنی باہم جھگڑا کرنا ہے۔ احتقاق کا معنی جھگڑنا ہے۔ حاقہ، حقہ اور حق تینوں لغتیں ایک معنی میں ہیں۔ کسائی اور مورج نے کہا: حاقہ سے مراد یوم حق ہے (1)۔ عرب کہتے ہیں: لَمَّا عَرَفَ الحقۃ منی ھرب جب اس نے میرا حق پہچانا تو بھاگ گیا۔ پہلے الحاقہ کو مبتدا ہونے کی حیثیت سے رفع دیا اور خبر دوسرا الحاقہ اور اس کی خبر ہے وہ مَا الۡحَآقَّۃُ ہے کیونکہ اس کا معنی ما ھی ہے لفظ استفہام کا ہے اس کا معنی تعظیم اور تفخیم شان ہے جس طرح تو کہتا ہے: زید ما زید یہاں بھی مقصود عظمت شان کا اظہار ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 441

وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝ یہ بھی جملہ استفہامیہ ہے یعنی کس چیز نے تجھے بتایا کہ وہ دن کیا چیز ہے؟ نبی کریم ﷺ قیامت کے بارے میں آگاہ تھے مگر صفت کے اعتبار سے، اس کی تفخیم شان کے لیے کہا گیا۔ وما ادراك ماھی گویا جب آپ ﷺ نے اس کا معائنہ کیا تو تو اس کو جانتا ہی نہیں۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ قرآن حکیم میں جہاں بھی وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے آگاہ کر دیا اور علم عطا فرما دیا اور جہاں بھی وما یدریك ہے اس کے بارے میں علم عطا نہیں فرمایا(1)۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: ہر وہ چیز جس کے بارے میں فرمایا: وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ اس کے بارے میں خبر دی اور ہر وہ چیز جس کے بارے میں فرمایا: وما یدریك اس کے بارے میں خبر نہیں دی گئی۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَ عَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝

''جھٹلایا ثمود اور عاد نے ٹکرا کر پاش پاش کرنے والی کو''۔

جنہوں نے قیامت کو جھٹلایا اس کا ذکر فرمایا۔ قارعہ سے مراد قیامت ہے(2)۔ اسے یہ نام اس لیے دیا کیونکہ یہ لوگوں کو اپنی ہولناکیوں سے کھٹکھٹاتی ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اصابتھم قوارع الدھر انہیں حادثات زمانہ پہنچے۔ نعوذ باللہ من قوارع فلان ولواذعه و قوارص لسانه ہم فلاں کی طرف سے دی جانے والی مصیبتوں، آفتوں اور بدکلامیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ قوارص یہ قارصہ کی جمع ہے جس کا معنی تکلیف دہ حکم ہے۔ قوارع القرآن، اس سے مراد وہ آیات ہیں جو انسان، جنوں یا انسانوں سے خوفزدہ ہو کر پڑھتا ہے جس طرح آیت الکرسی، گویا یہ شیطان کو کھٹکھٹاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے قارعہ یہ قرعہ سے ماخوذ ہے(3) یعنی وہ بعض لوگوں کو بلند اور بعض کو پست کر دیتی ہے؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قارعہ سے مراد ایسا عذاب ہے جو دنیا میں ان پر نازل ہوا۔ ان کا نبی انہیں اس بارے میں خبردار کرتا تھا تو وہ اس نبی کی تکذیب کرتے تھے۔ قوم ثمود جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی(4)، ان کی بستیاں شام اور حجاز کے درمیان حجر کے مقام پر تھیں۔ محمد بن اسحاق نے کہا: یہ وادی قری ہے۔ یہ عرب تھے، جہاں تک عاد کا تعلق ہے وہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی۔ ان کی بستیاں احقاف کے علاقہ میں تھیں۔ احقاف سے مراد عمان سے لے کر حضرموت تک کا ریتلا علاقہ ہے اور پورا یمن مراد ہے۔ یہ عربی تھے، بڑے مضبوط جسم والے تھے؛ محمد بن اسحاق نے اس کا ذکر کیا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝

''پس ثمود تو انہیں ہلاک کر دیا گیا، سخت چنگھاڑ سے''۔

اس میں اضمار ہے، تقدیر کلام یہ ہے بالفعلة الطاغیة۔ قتادہ نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے بالصیحة الطاغیة جو حد سے تجاوز کرنے والی تھی یعنی ہولناکی میں چیخوں کی حد سے تجاوز کرنے والی تھی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ (القمر) طغیان سے مراد حد سے تجاوز کرنا ہے؛ اسی سے یہ ہے اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ (الحاقہ: 11) یعنی اس نے حد سے تجاوز کیا۔ کلبی نے کہا: الطاغیة سے مراد صاعقہ ہے(5)۔ مجاہد نے کہا: گناہوں

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 76 2۔ زاد المسیر، جلد 5، صفحہ 106 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 76 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

کے بدلے میں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سرکشی کے باعث۔ یہ مصدر ہے جس طرح کاذبہ، عاقبہ اور عافیہ مصدر ہے یعنی انہیں طغیان اور کفر کے باعث ہلاک کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طاغیۃ سے مراد اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا ہے(1)؛ یہ ابن زید کا قول ہے یعنی انہیں ہلاک کیا گیا اس کے باعث جوان کے طاغیہ نے کہا کہ اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔ وہ ایک تھا۔ ان سب کو ہلاک کیا گیا کیونکہ وہ اس کے فعل پر راضی تھے اور انہوں نے اس کے ساتھ تعاون کیا۔ اسے طاغیہ کا نام دیا جس طرح کہا جاتا ہے: فلان راویۃ الشعر فلاں شعر روایت کرنے والا ہے اس طرح داھیۃ، علامہ اور نسابہ ہے۔

وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۟

"رہے عاد تو انہیں برباد کر دیا گیا آندھی سے جو سخت سرد بے حد تند تھی، اللہ نے مسلط کر دیا اسے ان پر (مسلسل) سات رات اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھیڑنے والی تھی تو تو دیکھتا قوم عاد کو ان دنوں کہ وہ گرے پڑے ہیں گویا وہ ٹنڈ ہیں کھوکھلی کھجور کے"۔

وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ، صرصر یعنی ٹھنڈی جو اپنی ٹھنڈک کے ساتھ جلا دیتی ہے جس طرح آگ جلاتی ہے؛ یہ صِرّ سے ماخوذ ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد سخت آواز ہے۔ مجاہد نے کہا: سخت زہریلی۔ عَاتِيَةٍ ۟ وہ اپنے خازنوں پر سرکش ہوگئی اور اس نے ان کی اطاعت نہ کی اور اس ہوا کے تیز چلنے کی وجہ سے اس پر قابو نہ رکھ سکے۔ وہ ہوا اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے غضب ناک ہوئی۔

عَاتِيَةٍ ۟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قوم عاد پر سرکش ہوگئی اور ان پر غالب آگئی۔ سفیان ثوری نے موسیٰ بن مسیب سے وہ شہر بن حوشب وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں (2) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ ہوا کا جھونکا نہیں بھیجتا مگر ایک پیمانہ سے اور پانی کا قطرہ نہیں بھیجتا مگر اندازہ سے مگر قوم عاد اور قوم نوح کے دن کیونکہ پانی حضرت نوح علیہ السلام کے دن خازنوں پر سرکش ہو گیا خازنوں کو اس پر گرفت کی کوئی صورت نہ رہی" پھر اس آیت کی تلاوت کی اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۟ (الحاقہ) اور ہوا جب قوم عاد کا دن آیا تو وہ اپنے خازنوں پر سرکش ہوگئی تو ان خازنوں کو ہوا پر کوئی غلبہ نہ رہا" پھر اس آیت بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ کی تلاوت کی سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ اللہ تعالیٰ نے اسے بھیجا اور اسے ان پر مسلط کیا(3)۔ تسخیر کا معنی ہے کسی شی سے قدرت کے ساتھ کام لینا۔

سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا پے در پے ان میں کوئی انقطاع نہیں؛ یہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے۔ فراء نے کہا: حسوم سے مراد پے در پے کسی عمل کو کرنا ہے(4)۔ یہ حسم الداء سے مشتق ہے جب مریض کو کا دیہ سے پے در پے داغا جائے۔ عبد العزیز بن زرارہ نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 76
2۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 61
3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 441
4۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 63

ففرق بينهم زمان تتابع فيه أعوامٌ حسومٌ (☆)

مبرد نے کہا: یہ تیرے قول حسمت الشیئ سے ماخوذ ہے جب تو اسے کاٹے اور دوسرے حصے سے جدا کرے۔ اور ایک قول یہ ہے: حسم سے مراد استئصال ہے اور تلوار کو حسام کہا جاتا ہے کیونکہ یہ دشمن کو دشمنی کی شدت کی وجہ سے وہاں سے کاٹ دیتی ہے جہاں سے دشمن چاہے۔ شاعر نے کہا:

حُسامٌ إذا قمتُ مُعْتَضِدًا به　كَفَى الْعَوْدَ منه الْبَدْءَ ليس بِمِعْضَدِ

وہ ایسی تلوار ہے جو میں اسے بغل میں لے کر کھڑا ہوتا ہوں تو اسی کا پہلا وار دوسرے کو کافی ہو جاتا ہے یہ درانتی نہیں۔

اس کا معنی ہے ہوا نے انہیں کاٹ کر رکھ دیا اور انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ یہ جڑ سے اکھاڑ دینے والے عذاب کے ساتھ قطع کرنے والی ہے۔ ابن زید نے کہا: ہوا نے انہیں ہلاک کر دیا ان میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا (1)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: ہوا راتوں اور دنوں میں پے در پے آئی یہاں تک کہ انہیں ہر طرف سے گھیر لیا (2) کیونکہ پہلے دن یہ ہوا سورج کے طلوع ہونے کے وقت شروع ہوئی اور آخری دن سورج کے غروب ہونے کے وقت ختم ہوئی۔ لیث نے کہا: حسوم سے مراد نحوست ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: یہ نحوست کی راتیں ہیں، یعنی بھلائی کو ان کے اہل سے ختم کرنے والیاں ہیں؛ صحاح میں یہ قول کیا ہے۔ عکرمہ اور ربیع بن انس نے کہا: مراد نحوست والے (3)؛ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فِيٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ (فصلت: 16)۔ عطیہ عوفی نے کہا: حُسُوْمًا سے مراد ہے جنہوں نے بھلائی کو ان کے اہل سے ختم کر دیا (4)۔ اس کے پہلے دن کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اتوار کی صبح؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جمعہ کے دن کی صبح؛ یہ ربیع بن انس کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بدھ کی صبح؛ یہی یحییٰ بن سلام اور وہب بن منبہ نے کہا۔ وہب نے کہا: وہ دن جنہیں عرب ایام عجوز کہتے ہیں وہ ٹھنڈے اور شدید ہوا والے تھے۔ اس کا پہلا دن بدھ تھا اور آخری دن بھی بدھ تھا۔ انہیں ایک بوڑھی کی طرف منسوب کیا گیا کیونکہ قوم عاد کی ایک بوڑھی درندے کی ایک بل میں داخل ہوئی، ہوا نے اس کا پیچھا کیا اور آٹھویں دن اس کو قتل کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں ایام عجوز اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ موسم سرما کے آخر میں واقع ہوئے۔ سریانیوں کے زبان میں یہ آزار (مارچ) کے مہینہ میں ہوا ہے۔

حُسُوْمًا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: تحسمهم حسوما انہیں فنا کر دے گی۔ یہ مفعول مطلق ہے تاکید کے لیے ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول لہ ہو یعنی ان کی جڑ ختم کرنے کے لیے ہوا کو اتنی مدت ان پر مسلط کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حاسم کی جمع ہو۔ سدی نے حُسُوْمًا پڑھا ہے۔ یہ ریح سے حال ہے یعنی ہوا کو ان پر مسلط کیا، اس حال میں کہ وہ ان کی جڑ ختم کرنے والی تھی۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 78　2۔ ایضاً

3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 77　4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 442

☆۔ ان کے درمیان ایسے زمانے نے جدائی ڈال دی جس میں دامٹنے والے سال پے در پے آئے۔

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا ها ضمیر سے مراد راتیں اور دن ہیں (1)۔ صَرْعٰی یہ صریع کی جمع ہے یعنی مردہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ھا ضمیر سے مراد ہوا ہے كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ اعجاز کا معنی تنے ہیں۔ خاویۃ بوسیدہ: یہ ابو طفیل کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اندر سے خالی، ان میں کچھ بھی نہ تھا۔ نخل مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور موقع پر فرمایا: كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ (القمر) یہ احتمال موجود ہے کہ انہیں ایسی کھجوروں سے تشبیہ دی گئی جو اپنی جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دی گئیں۔ یہ اس امر کی خبر ہے کہ ان کو ختم کرنا بڑا عظیم امر تھا۔ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد جڑیں ہوں تنے نہ ہوں یعنی ہوا نے انہیں کاٹ کر رکھ دیا یہاں تک کہ وہ یوں ہو گئے جس طرح کھجور کی ایسی جڑیں ہوں جو اندر سے کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ ہوا ان کے پیٹوں میں داخل ہوتی تو انہیں ہلاک کر کے رکھ دیتی جس طرح وہ کھجور ہو جو اندر سے کھوکھلی ہو۔ ابن شجرہ نے کہا: ہوا ان کے مونہوں میں داخل ہوتی اور ان کے پیٹوں میں جو انتڑیاں وغیرہ تھیں، ان کو باہر نکال دیتی تو وہ اس کھجور کی طرح ہو گئے جو اندر سے کھوکھلی تھی (3)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: خاویہ کہا کیوں کہ ان کے بدن روحوں سے خالی ہو گئے تھے جس طرح کھوکھلا تنا ہوتا ہے (4)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ معنی ہو گویا کھجور کے ایسے تنے ہیں جو اپنی جڑوں سے خالی ہو چکے تھے جو زمین میں گڑھی ہوتی ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً (النمل: 52) یعنی وہ کھنڈر ہے ان میں کوئی رہائش نہیں۔ خاویہ کا معنی بوسیدہ بھی ہو سکتا ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا کیونکہ جب وہ بوسیدہ ہو جاتا ہے تو اس کا پیٹ خالی ہو جاتا ہے۔ جب وہ ہلاک کیے جا چکے تو انہیں کھجور کے کھوکھلے تنوں کے ساتھ تشبیہ دی۔

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝

''کیا تمہیں نظر آتا ہے ان کا کوئی باقی ماندہ فرد''۔

یہاں بَاقِيَةٍ سے پہلے فرقۃ یا نفس محذوف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں بَاقِيَةٍ، بقیہ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بقاء کے معنی میں ہے، یہ فاعلۃ کا وزن ہے۔ مصدر کے معنی میں ہے جس طرح عاقبہ اور عافیہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اسم ہو کیا تم ان میں سے کسی کو باقی پاتے ہو۔ ابن جریج نے کہا: وہ سات راتیں اور آٹھ دن تھے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوا کی صورت میں جو عذاب آیا اس میں وہ زندہ رہے جب آٹھویں دن کی صبح کی تو وہ مر گئے۔ ہوا نے انہیں اٹھایا اور سمندر میں پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝ اور فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ (الاحقاف: 25) کا یہی معنی ہے۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝

''اور فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹائی جانے والی بستیوں کے باشندوں نے غلطی کا ارتکاب کیا''۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ ابو عمرو اور کسائی نے وَمَنْ قِبَلَهٗ پڑھا ہے، یعنی قاف کے نیچے کسرہ اور باء پر زبر۔ معنی ہو گا جو اس کے ساتھ تھے اور لشکروں میں سے جو اس کے پیروکار تھے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے حضرت عبداللہ اور حضرت ابی کی

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 442 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 78 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

قرأت ومن معه پر اعتبار کرتے ہوئے اسے پسند کیا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اسے ومن تلقاء قرأت کی باقی قراء نے قبلہ قرأت کی مراد ہے جو سابقہ قومیں گزر چکی تھیں (1)۔

وَالْمُؤْتَفِكٰتُ اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کے لوگ ہیں۔ عام قرأت الف کے ساتھ ہے۔ حضرت حسن بصری اور جحدری نے والمؤتفكة قرأت کی ہے۔ قتادہ نے کہا: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو موتفکات کا نام دیا کیونکہ انہیں ان لوگوں کے ساتھ الٹایا گیا تھا۔ طبری نے محمد بن کعب قرظی سے یہ ذکر کیا ہے: وہ پانچ بستیاں تھیں صبعہ، صعرہ، عمرہ، دوما اور سدوم۔ یہ بڑی بستی تھی۔ بِالْخَاطِئَةِ ﴿۹﴾ اس سے پہلے الفعلة کا لفظ محذوف ہے۔ اس سے مراد معصیت اور کفر ہے۔ مجاہد نے کہا: مراد وہ خطائیں ہیں جو وہ کیا کرتے تھے۔ جرجانی نے کہا: مراد بڑی خطا ہے خاطئة مصدر ہے۔

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾

''پس انہوں نے نافرمانی کی اپنے رب کے رسولوں کی تو الله نے پکڑ لیا انہیں بڑی سختی سے''۔

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ کلبی نے کہا: اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول سے مراد حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد حضرت موسیٰ اور حضرت لوط علیہ السلام ہیں جس طرح فرمایا: فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ (الشعراء) ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول سے مراد رسالت ہے؛ بعض اوقات رسالت کو رسول سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس قول فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾ رابیہ ایسی پکڑ جو پکڑوں پر بلند اور زائد ہو اور امتوں کے عذاب پر بلند ہو؛ اسی سے ربا کا لفظ ہے جب سونے اور چاندی میں اس سے زیادہ چیز لی گئی جو دی گئی تھی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ربا الشیٔ یربو جب وہ زائد ہو جائے اور کئی گنا ہو جائے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی سخت ہے گویا یہ ارادہ کیا وہ شدت میں بڑھ کر ہے۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾

''ہم نے جب سیلاب حد سے گزر گیا تو تمہیں کشتیوں میں سوار کر دیا تا کہ ہم بنا دیں اس واقعہ کو تمہارے لیے یادگار اور محفوظ رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان''۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ جب پانی بلند ہو گیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: پانی الله تعالیٰ کے لیے غضب کی وجہ سے فرشتوں میں سے خازنوں پر سرکش ہو گیا (2)۔ وہ خزان اسے قابو رکھنے پر قادر نہ ہوئے۔ قتادہ نے کہا: ہر چیز پر پندرہ ہاتھ بلند ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں پانی اپنے خازنوں پر سرکش ہو گیا، وہ ان پر بہت زیادہ ہو گیا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ کتنا پانی نکلا۔ اس سے قبل اور اس کے بعد کوئی قطرہ نازل نہیں ہوتا مگر معلوم پیمانہ کے ساتھ نازل ہوتا صرف اس دن ایسی صورت نہ تھی۔ سورت کے آغاز میں مرفوع حدیث گزر چکی ہے۔ ان امتوں کے واقعات کے ذکر کرنے کا مقصود اور جو عذاب ان پر آئے، ان کے ذکر کا مقصود یہ ہے کہ اس امت کو رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں ان کفار کی اقتدا سے روکا جائے۔ پھر ان پر یہ احسان جتلایا کہ انہیں ان لوگوں میں سے بنایا جو اس غرق ہونے سے نجات پانے والے تھے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 78　2۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 79

فرمایا: حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ ۝ یعنی ہم نے تمہارے آباء کو کشتی میں اٹھالیا جبکہ تم ان کی پشتوں میں تھے۔ اس کشتی میں جن کو اٹھایا گیا تھا وہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد تھی۔ روئے زمین پر جو بھی انسان ہیں انہیں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً، ھا ضمیر سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس امت کے لیے نصیحت بنالیا یہاں تک کہ اس کے اوائل نے اس کشتی کو پایا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ابن جریج نے کہا: اس کے تختے جودی پہاڑ پر تھے (2)۔ معنی یہ ہے میں نے تمہارے لیے ان لکڑیوں کو باقی رکھا تا کہ تم اس کو یاد کرو جو قوم نوح پر واقع ہوا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے آباء کو جو نجات دی اسے یاد کرو۔ کتنی کشتیاں ہیں جو ہلاک ہوئیں اور مٹی ہوگئیں اور ان میں سے کوئی چیز باقی نہ رہی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تا کہ ہم اس فعل ''یعنی قوم نوح کو غرق کرنا اور جو ایمان لایا تھا اسے نجات دینا'' کو تمہارے لیے نصیحت بنادیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَّتَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ ۝ یعنی اسے یاد رکھیں اور اسے کان سنیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کچھ آیا ہے اسے یاد رکھیں۔ سفینہ کی صفت اس کے ساتھ نہیں لگائی جاسکتی۔ زجاج نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے وعیت کذا اعیه وعیًا اسے میں نے اپنے دل میں یاد کیا۔ وَعیتُ العلم، دعیت ماقلت، سب کا ایک ہی معنی ہے۔ أدعیت المتاع فی الوعا میں نے برتن میں سامان کو محفوظ کیا۔ زجاج نے کہا: ہر وہ چیز جس کو تو اپنی ذات کے علاوہ کسی اور چیز میں محفوظ رکھے، اس کے لیے أوعیته کا لفظ بولا جاتا ہے جسے تو اپنی ذات میں محفوظ رکھے اس کے لیے وعیته کا لفظ بولا جاتا ہے (3)۔ طلحہ، حمید اور اعرج نے وتعیها عین کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اسے ارنا کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ عاصم اور ابن کثیر سے اس بارے میں اختلاف مروی ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَّتَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ ۝۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ (ق: 37) قتادہ نے کہا: اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ سے مراد ایسے کان ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ سے سمجھ بوجھ نصیب ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب سے جو کچھ سنا اس سے فائدہ اٹھایا (4)۔ مکحول نے کہا: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی کوئی چیز نہیں سنی جسے میں بھول گیا ہوں بلکہ میں نے اسے یاد رکھا؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے۔ حضرت حسن بصری سے بھی اسی طرح مروی ہے؛ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ کہا: جب وَّتَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے علی! میں نے اپنے رب سے سوال کیا ہے کہ اسے تیرے کان بنادے'' (5)۔ حضرت علی شیر خدا نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کوئی چیز نہیں بھولا اور میرے لیے زیبا نہیں کہ میں کسی چیز کو بھولوں۔ ابو برزہ اسلمی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: ''اے علی! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے قریب کروں اور تجھے دور نہ کروں، میں تجھے تعلیم دوں اور تو اسے یاد رکھے'' (6)۔ درمنثور میں الفاظ اس طرح ہیں ''تجھ پر لازم ہے تو اسے یاد رکھے، اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ تجھے یاد رکھے''۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 80 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً
5۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 189 6۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 67

''پھر جب پھونک ماردی جائے گی صور میں ایک بار''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ قیامت کے برپا ہونے کے وقت پہلا نفخہ ہے(1)۔ اس وقت ہر کوئی مرجائے گا۔ نفخ کو مذکر لانا بھی جائز ہے کیونکہ نفخۃ کی تانیث غیر حقیقی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نفخہ سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔ فرمایا: نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ یعنی اس کو دوبارہ نہیں پھونکا جائے گا۔ اخفش نے کہا: فعل، نفخہ پر واقع ہوا کیونکہ اس سے پہلے کوئی اسم مرفوع نہیں تو اسے نفخۃ کہا۔ یہ بھی جائز ہے کہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو۔ ابو سمال نے اسے یوں ہی پڑھا ہے یا کہا جاتا ہے: صرف فعل کے ساتھ خبر دینے پر اقتصار کیا گیا ہے جس طرح تو کہتا ہے: ضرب ضربا زجاج نے کہا: فی الصور نائب فاعل کے قائم مقام ہے۔

وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾

''اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک ہی دفعہ چور چور کر دیا جائے گا''۔

وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ عام قرات میم کی تخفیف کے ساتھ ہے یعنی انہیں اپنی جگہوں سے اٹھا لیا جائے گا(2)۔ فَدُكَّتَا انہیں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا دَكَّةً وَّاحِدَةً۔ دکۃ میں نصب ہی جائز ہے کیونکہ فَدُكَّتَا میں ضمیر مرفوع ہے فراء نے کہا: فدککن نہیں کہا کیونکہ تمام پہاڑوں کو ایک پہاڑ کی طرح بنا دیا گیا اور زمین کو ایک بنا دیا گیا(3)۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا (الانبیاء: 30) یہاں بھی کن نہیں فرمایا یہ دلنزلہ کی طرح ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ (الزلزلہ) ایک قول یہ کیا گیا ہے دکتا کا معنی ہے دونوں کو ایک ہی دفعہ پھیلا دیا جائے گا اسی سے اندک سنام البعیر ہے جب اس کی کوہان اس کی پشت میں پھیل جائے۔ سورۃ الاعراف میں اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ عبد الحمید نے ابن عامر سے یہ قرات نقل کی ہے وحُمِّلَتِ الأرض و الجبال یعنی تشدید کے ساتھ اسے پڑھا ہے کیونکہ فعل دوسرے فعلوں کی طرف متعدی ہے گویا اصل کلام یوں ہے وحملتْ قدرتنا أو مَلَكًا من ملائکتنا الأرض و الجبال پھر فعل کو دوسرے فعلوں کی طرف منسوب کیا گیا تو اس کے لئے یہ صیغہ بنایا گیا۔ اگر پہلا مفعول لایا جائے تو فعل کو اس کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ گویا فرمایا: وحملت قدرتُنا الأرض کبھی قلب کے طریقہ پر دوسرے مفعول کے لئے اسے مجہول کا ذکر کرنا بھی جائز ہے تو کہا جائے گا: حملت الأرض الملك جس طرح تیرا قول ہے: أُلبِسَ زيدٌ الجبة اور أُلبِسَتُ الجبةُ زيدا۔

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَ انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّ الْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآىِٕهَا ؕ وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾

''تو اس روز ہونے والا واقعہ ہو جائے اور آسمان پھٹ پڑے گا تو وہ اس دن بالکل جدا ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر متقرر کر دیئے جائیں گے اور آپ کے رب کے عرش کو اس روز اپنے اوپر آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہوگا''۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 442 2۔ ایضاً 3۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 109

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ جس روز قیامت قائم ہوگی (1) وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ آسمان پھٹ جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ پھٹ جائے گا کہ جو فرشتے اس میں ہیں وہ نیچے اتر آئیں گے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝ (الفرقان) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ وہ اس دن کمزور ہو گا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: وهي البناء يهي وَهْيًا فهو واهٍ جب وہ بہت کمزور ہو جائے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: كلام واهٍ ضعیف کلام۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنی سختی کے بعد کمزوری میں اون کی طرح ہو جائیں گے۔ یہ فرشتوں کے نازل ہونے کے لئے ہوگا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے ایسا ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَّاهِيَةٌ کا معنی ہے اس میں سوراخ ہو جائیں گے؛ یہ ابن شجرہ نے کہا ہے (2)۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: وهى السقاء جب اس میں سوراخ ہو جائیں۔ ان کی امثال میں سے ہے:

خَلِّ سبِيْلَ من وَهَى سِقاءه و من هُرِيق بالفلاة ماءه

اس آدمی کا راستہ چھوڑ دے جس کا مشکیزہ پھٹ گیا ہو اور جس کا پانی جنگل میں بہہ گیا ہو۔ یعنی جو کمزور عقل والا ہو وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتا۔ وَّالْمَلَكُ اس سے مراد فرشتے ہیں یہ اسم جنس ہے عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا جب آسمان پھٹ جائے گا تو فرشتے اس کی اطراف میں ہوں گے کیونکہ آسمان میں ان کا مکان تھا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ماوردی نے کہا: شاید یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ ثعلبی نے اسے ضحاک سے روایت کیا ہے۔ کہا: اس کے ان اطراف پر جو پھٹی نہیں۔ یہ ارادہ کیا کہ آسمان فرشتوں کا مکان ہے جب وہ پھٹ گیا تو وہ اس کی اطراف میں چلے گئے۔ سعید بن جبیر نے کہا: معنی ہے فرشتے دنیا کی اطراف میں ہونگے یعنی زمین کی طرف اتریں گے اور اس کی اطراف کی نگہبانی کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا تو فرشتے ان ٹکڑوں پر کھڑے ہو جائیں گے جو خود نہیں پھٹے ہونگے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگ جب جہنم دیکھیں گے تو جہنم ان کو خوفزدہ کر دے گی تو وہ یوں بھاگ کھڑے ہونگے جس طرح اونٹ بھاگتا ہے وہ زمین کے کسی کونے میں نہیں آئیں گے مگر وہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو جہاں سے آئے تھے واپس چلے جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس کی اطراف میں انتظار کر رہے ہونگے کہ جہنمیوں کے بارے میں انہیں جو حکم دیا جاتا ہے کہ انہیں جہنم میں ہانک دیا جائے اور اہل جنت کے بارے میں سلام اور کرامت کا حکم دیا جائے۔ یہ سب ابن جبیر کے قول کے معنی کی طرف راجع ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝ (الفرقان) اور يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرحمن: 33) اس پر دلالت کرتا ہے جس طرح ہم نے وہاں بیان کیا ہے۔ ارجاء کا معنی اطراف ہے، یہ ہذیل کی لغت ہے اس کا واحد رجا ہے اس کی تثنیہ رجوان ہے جس طرح عصا اور عصوان ہے۔ شاعر نے کہا:

فلا يُرْمَى بِىَ الرَّجَوَان أنّى أقلُّ القومِ من يُغنِي مكانِي

مجھے دونوں طرفوں میں نہیں پھینکا جا سکتا میں قوم میں سب سے قلیل ہوں میرے مکان سے کون بے نیاز ہو سکتا ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 443
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 81

یہ لفظ کنویں اور قبر کے کنارے کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۞ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی (1) جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ آٹھ فرشتے ہیں (2)۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ آٹھ ہیں یا آٹھ ہزار ہیں (3)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''آج عرش کو اٹھانے والے چار ہیں جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ چار اور سے ان کی مدد کرے گا وہ آٹھ ہو جائیں گے''۔ ثعلبی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: يحمله اليوم أربعة وهم يوم القيامة ثمانية آج چار اسے اٹھائے ہوئے ہیں قیامت کے روز وہ آٹھ ہونگے۔ عباس بن عبد الملک نے کہا: وہ پہاڑی بکروں کی شکل میں آٹھ فرشتے ہیں، اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: ''ان فرشتوں میں سے ہر ایک کے چار منہ ہیں انسان کا چہرہ، شیر کا چہرہ، بیل کا چہرہ اور گدھ کا چہرہ۔ ہر چہرہ اپنی جنس کے لئے رزق طلب کرتا ہے'' (4) جب امیہ بن ابی صلت کے اشعار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھے گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا''۔

رَجُلٌ و ثَوْرٌ تحت رِجل يمينه　　و النَّسْرُ للأخرى و لَيْثٌ مُرْصَدُ

و الشمس تطلع كلّ آخر ليلة　　حمراء يُصبح لَوْنُهَا يَتَوَرَّدُ

ليست بطالعة لهم في رِسْلِها　　إلّا مُعَذَّبَةً و إلّا تُجْلَدُ

حدیث طیبہ میں ہے: ''ساتویں آسمان کے اوپر آٹھ پہاڑی بکرے ہیں ان کے کھروں کے گھٹنوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے ان کی پشتوں پر عرش ہے'' (5)۔ قشیری نے یہ ذکر کیا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت عباس بن عبد المطلب کی حدیث تخریج کی ہے: سورۂ بقرہ میں وہ مکمل گزر چکی ہے۔ ثعلبی نے اسی کی مثل اور اس کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔ حدیث مرفوع میں ہے: ''عرش کو اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں جو پہاڑی بکروں کی شکل پر ہیں ان کے کھروں اور گھٹنوں کے درمیان تیز رفتار پرندے کے لئے ستر سال کی مسافت ہے''۔ کلبی کی تفسیر میں یہ الفاظ ہیں ثمانية أجزا من تسعة أجزاء من الملائكة ان سے یہ بھی مروی ہے ثمانية أجزاء من عشرة أجزاء من الملائكة پھر ملائکہ کی تعداد کا ذکر کیا جس کا ذکر طویل ہے۔ پہلا قول ثعلبی نے ان سے نقل کیا اور دوسرا قول قشیری نے نقل کیا ہے۔ ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: ثمانية أجزاء من تسعة یہی مقرب فرشتے ہیں (6)۔ عرش کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت اسی طرح ہے جس طرح بیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، بیت رہائش کے لیے نہیں یہی کیفیت عرش کی ہے۔ فَوْقَهُمْ کا معنی ہے ان کے سروں کے اوپر۔ سدی نے کہا: عرش کو حاملین عرش اپنے اوپر اٹھائے

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 443
2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 190
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 82
4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 443
5۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ حاقہ، جلد 2، صفحہ 167
6۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 82

ہوئے ہونگے جبکہ عرش کو اٹھانے والوں پر رکھنے والا صرف اللہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَوْقَهُمْ سے مراد ہے عرش کو اٹھانے والے فرشتے ان فرشتوں کے اوپر ہوں گے (1) جو آسمان میں اس کی اطراف میں ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَوْقَهُمْ سے مراد فوق أهل القيامة ہے۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝١٨

''وہ دن جب تم پیش کیے جاؤ گے تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا''۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ جس روز تمہیں اللہ تعالیٰ پر پیش کیا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے: وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا (الکہف: 48) یہ وہ پیشی نہیں جس کے ذریعے اس چیز کو جانا جائے جس سے پہلے آگاہ نہ ہو، بلکہ اس کا معنی حساب ہے اور جزا کے لئے ان پر اعمال واضح کرنا ہے۔ حضرت حسن بصری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز لوگوں کی تین پیشیاں ہونگی جہاں تک دو پیشیوں کا تعلق ہے وہ جھگڑا اور معذرت ہے، جہاں تک تیسری پیشی کا تعلق ہے اس موقع پر صحیفے ہاتھوں میں اڑ کر پہنچیں گے کوئی اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑے گا اور کوئی اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑے گا'' (2)۔ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔ یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ حضرت حسن بصری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل نہیں کی۔

لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝ وہ تمہارے اعمال میں سے ہر عمل کو جانتا ہے اس تعبیر کی بنا پر خَافِيَةٌ خفیہ کے معنی میں ہے وہ اپنے اعمال چھپایا کرتے تھے؛ یہ ابن شجرہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کوئی انسان اس پر مخفی نہیں رہے گا یعنی کوئی انسان باقی نہیں رہے گا جس کا محاسبہ نہ ہو۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص نے کہا: مومن کافر سے اور نیک فاجر سے مخفی نہیں رہے گا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہاری شرمگاہیں پردہ میں نہ ہونگی۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لوگ ننگے پاؤں اور ننگے بدن اٹھائے جائیں گے'' (4)۔ عاصم کے علاوہ کوفیوں نے لا یخفی پڑھا ہے کیونکہ خافیۃ کی تانیث غیر حقیقی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ (ہود: 67) ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ فعل اور اسم مونث کے درمیان جار اور مجرور حائل ہے۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے اسے خافیۃ کی تانیث کی وجہ سے اسے اختیار کیا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۝١٩ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۝٢٠ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝٢١ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝٢٢ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝٢٣ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝٢٤ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 82
2۔ جامع ترمذی، کتاب صفة القيامة، ما جاء في العرض، جلد 2، صفحہ 65
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 82
4۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها، فناء الدنيا بيان الحشر يوم القيامة، جلد 2، صفحہ 384

فَيَقُولُ يٰلَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَا أَغْنٰى عَنِّي مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّي سُلْطٰنِيَهْ ﴿٢٩﴾ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ﴿٣٢﴾ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿٣٤﴾

''پس جس کو دیا گیا اس کا نامہ عمل دائیں ہاتھ میں تو وہ (فرط مسرت سے) کہے گا: لو پڑھو میرا نامہ عمل۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا۔ پس یہ (خوش نصیب) پسندیدہ زندگی بسر کرے گا عالیشان جنت میں، جس کے خوشے جھکے ہوں گے (اذن ملے گا) کھاؤ اور پیو مزے اڑاؤ۔ یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج دیے گذشتہ دنوں میں اور جس کو دیا جائے گا اس کا نامہ عمل بائیں ہاتھ میں وہ کہے گا: اے کاش! مجھے نہ دیا جاتا میرا نامہ عمل اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے، اے کاش! موت نے ہی (میرا) قصہ پاک کر دیا ہوتا۔ آج میرا مال کسی کام نہ آیا۔ میری بادشاہی بھی فنا ہوگئی (فرشتوں کو حکم ہوگا) پکڑ لو اس کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو پھر اسے دوزخ میں جھونک دو پھر ستر گز لمبے زنجیر میں اس کو جکڑ دو۔ بے شک یہ بدبخت ایمان نہیں لایا تھا اللہ پر جو بزرگ (وبرتر) ہے اور نہ ترغیب دیتا تھا مسکین کو کھانا کھلانے کی''۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ دائیں ہاتھ میں کتاب دینا یہ نجات کی دلیل ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس امت میں سب سے پہلے جسے دائیں ہاتھ میں کتاب دی جائے گی وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہونگے، اس کی شعاع یوں ہوگی جس طرح سورج کی شعاع ہوتی ہے۔ ان سے پوچھا جائے گا: ابوبکر کہاں ہیں؟ حضرت عمر کہیں گے: بہت دور، بہت دور! فرشتے اسے گھیرے میں لے کر جنت کی طرف لے گئے ہیں؛ ثعلبی نے اس کا ذکر کیا ہے، ہم نے ''تذکرہ'' کتاب میں حضرت زید بن ثابت سے مرفوع حدیث انہیں الفاظ اور معنی کے ساتھ نقل کی ہے۔ الحمدللہ

فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿١٩﴾ وہ اسلام پر اعتماد کرتے ہوئے اور اپنی نجات پر خوش ہوتے ہوئے یہ کہے گا کیونکہ یمین عربوں کے ہاں خوشی کے دلائل اور شمال غم کی نشانیوں میں سے ہے(2)۔ شاعر نے کہا:

أَبِينِي أَ فِي يُمْنَى يَدَيْكِ جَعَلْتِنِي فَأَفْرَحَ أَمْ صَيَّرْتِنِي فِي شِمَالِكِ (3)

مجھ پر واضح کرو کیا تو نے مجھے اپنے دائیں ہاتھ میں رکھا ہے تو خوش ہوں یا تو نے مجھے بائیں ہاتھ میں رکھا ہے۔

هَآؤُمُ کا معنی ہے آؤ: یہ ابن زید کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے لو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی پکڑو۔ اس معنی میں ربا کے بارے میں ایک روایت ہے اور هاء وهاء ہر ایک اپنے ساتھی کے بارے میں کہے گا پکڑ لو۔ ابن سکیت اور کسائی نے کہا: عرب کہتے ہیں هاء یا رجل اقرا۔ دو کو کہتے ہیں: هاءما یا رجلان۔ هاؤم یا رجالا۔ عورت کے لئے کہتے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 83 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

ہیں: هاءِ، هاؤما، هاؤن اصل میں یہ هاکہ تھا۔ کاف کو ہمزہ کی صورت میں بدل دیا ہے؛ یہ قتیبی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هاءمر ایسا کلمہ ہے جو نشاط اور فرحت کے وقت بلانے والے کو جواب دینے کے بولا جاتا ہے (1)۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بدو نے بلند آواز سے بلایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے هاءمر کے ساتھ جواب دیا اور آواز کو لمبا کیا (2) اور کتابیہ یہ کوفیوں کے نزدیک یہ هاؤم سے منصوب ہے بصریوں کے نزدیک اقرؤا کے ساتھ منصوب ہے کیونکہ دونوں عاملوں میں سے یہ قریبی عامل ہے اصل کتابی ہے هاء کو داخل کیا گیا ہے تاکہ یاء کے فتحہ کو واضح کیا جائے۔ هاء وقف کے لئے ہے اسی طرح اس کے اخوات حسابیه، مالیه اور سلطانیه میں ہے سورۂ قارعہ میں ماهیه ہے عام قرات وقف اور وصل دونوں صورتوں میں هاء کے ساتھ ہے کیونکہ مصحف میں یہ هاء کے ساتھ ہے اسے ترک نہ کیا جائے گا۔ ابو عبید نے یہ پسند کیا ہے کہ ان پر وقف کیا جائے تاکہ سکتہ میں هاء کے لاحق کرنے میں لغت کے موافق ہو جائے اور خط کے بھی موافق ہو جائے۔ ابن محیصن، مجاہد، حمید اور یعقوب نے وصل میں هاء کے حذف اور وقف میں هاء کو سب میں ثابت رکھا ہے حمزہ نے مالیه اور سلطانیه میں اور سورۂ قارعہ میں ماهیه ان کی موافقت کی ہے مجموعی طور پر یہ سات حروف ہیں۔ ابو حاتم نے یعقوب اور اس کے ساتھیوں کی قرات کو اختیار کیا ہے کیونکہ وہ لغت کی اتباع کرتے ہیں۔ جنہوں نے وصل میں هاء کے ساتھ پڑھا ہے تو وہ بھی وقف کی نیت پر ہوگا۔

اِنِّىْ ظَنَنْتُ مجھے یقین اور علم ہے (3)؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے یہ مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مجھے یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میرا میرے گناہوں کی وجہ سے مواخذہ کرے گا۔ اس نے مجھے معاف کرنے کے ساتھ مجھ پر فضل و احسان فرمایا اور میرا مواخذہ نہ کیا۔ ضحاک نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی لفظ ظن استعمال ہوا ہے اس کی نسبت مومن کی طرف ہے (4) تو وہ یقین کے معنی میں ہے اور کافر کی طرف نسبت ہو تو وہ شک کے معنی میں ہے۔ مجاہد نے کہا: آخرت کا ظن یقین ہے اور دنیا کا ظن شک ہے۔ حضرت حسن بصری نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: مومن اپنے رب کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہے تو وہ اچھا عمل کرتا ہے اور منافق اپنے رب کے بارے میں برا گمان رکھتا ہے تو وہ برا عمل کرتا ہے۔ (5)

اَنِّىْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۞ میں آخرت میں اپنے حساب کو پانے والا ہوں، میں بعث کا انکار نہیں کرتا یعنی اس نے نجات نہیں پائی مگر اس وجہ سے کہ اسے یوم حساب کا خوف تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کرے گا تو اس نے آخرت کے لئے عمل کیا۔

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۞ وہ ایسی زندگی میں ہوگا جس پر وہ راضی ہوگا اس میں کوئی ناپسندیدہ چیز نہ ہوگی۔ ابو عبیدہ اور فراء نے کہا: راضیة سے مراد مرضیة ہے جس طرح تیرا قول ہے: ماء دافق یہ مدفوق کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ذات رضا کے معنی میں ہے یعنی اس سے اس کا صاحب راضی ہوگا جس طرح لابن اور تامر سے مراد دودھ والا اور کھجور والا ہے۔ صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: "وہ زندہ رہیں گے کبھی بھی نہیں مریں گے، وہ صحت مند رہیں گے، وہ کبھی بھی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 83 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

بیمار نہیں ہونگے وہ نعمتوں میں ہونگے کبھی تکلیف نہ دیکھیں گے، وہ جوان رہیں گے کبھی بھی بوڑھے نہ ہوں گے"(1)۔

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ایسی جنت جونفوس میں عظیم شان والی ہے۔ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ اس کے گچھے قریب ہونگے آسانی سے انہیں حاصل کیا جا سکے گا، کھڑا ہوا، بیٹھا ہوا اور لیٹا ہوا اسے توڑ لے گا۔ اس کی وضاحت سورۃ الدخان میں آئے گی۔ قطوف یہ قصف کی جمع ہے اس سے مراد وہ پھل ہیں جنہیں توڑا جاتا ہے۔ قطف یہ مصدر ہے قطاف یہ توڑنے کا وقت ہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا انہیں یہ کہا جائے گا: کھاؤ اور پیو۔ هَنِيْٓـًٔا مبارک ہو اس میں کوئی تکرار اور بدمزگی نہ ہوگی۔ بِمَآ اَسْلَفْتُمْ کے بعد كُلُوْا فرمایا کیونکہ پہلے فرمایا: فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ، مَنْ اپنے ضمن میں جمع کا معنی لئے ہوئے ہے۔ ضحاک نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ابوسلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد مخزومی کے حق میں نازل ہوئی؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ وہ آیت جو اس کے بعد آرہی ہے وہ اس کے بھائی اسود بن عبد الاسد کے حق میں نازل ہوئی؛ یہ حضرت ابن عباس اور ضحاک کا قول ہے۔ یہ ثعلبی نے کہا ہے: یہ اور اس کا بھائی ان آیات کے نزول کا سبب ہوگا معنی تمام اہل شقاوت اور اہل سعادت کو عام ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان كُلُوْا وَاشْرَبُوْا دلالت کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے ہر وہ آدمی، خیر اور شر میں جس کی پیروی کی جاتی ہے۔ جب کوئی آدمی بھلائی میں سردار ہو، اس کی طرف دعوت دیتا ہو، اس کا حکم دیتا ہو اور اس کے پیروکار زیادہ ہو جائیں اسے اس کے نام اور ان کے باپ کے نام سے بلایا جاتا ہے تو وہ آگے بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ جب وہ قریب ہوتا ہے اس کے لئے سفید کتاب سفید خط سے لکھی ہوئی نکالی جاتی ہے اس کے اندر برائیاں ہوتی ہیں اور اس کے ظاہر میں نیکیاں ہوتی ہیں، وہ برائیوں سے شروع کرتا ہے وہ انہیں پڑھتا ہے وہ ڈرتا ہے، اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اور اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے، جب کتاب کے آخر میں پہنچتا ہے اس میں پاتا ہے: "یہ تیری برائیاں تھیں میں نے تجھے بخش دیا ہے" وہ اس پر بہت خوش ہوتا ہے پھر وہ کتاب کو اٹھاتا ہے تو اپنی نیکیوں کو پڑھتا ہے تو اس کی خوشی کے علاوہ کسی چیز میں اضافہ نہیں ہوتا یہاں تک کہ جب کتاب کے آخر میں پہنچتا ہے تو اس میں پاتا ہے: "یہ تیری نیکیاں تھیں تیرے لئے ان میں کئی گنا اضافہ کر دیا گیا ہے" اس کا چہرہ روشن ہو جاتا ہے۔ ایک تاج لایا جاتا ہے جو اس کے سر پر رکھا جاتا ہے، اسے دو حلے پہنائے جاتے ہیں ہر جوڑ میں زیورات ڈالے جاتے ہیں، اس کا قد ساٹھ ذراع ہو جاتا ہے۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کا قد تھا۔ اسے کہا جاتا: اپنے ساتھیوں کی طرف جاؤ انہیں خبر دو اور بشارت دو کہ ان میں سے ہر انسان کے لئے اس کی مثل ہے۔ جب وہ پیٹھ پھیرتا ہے تو کہتا ہے: هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۚ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ یہاں رَّاضِيَةٍ، مرضیۃ کے معنی میں ہے جس پر وہ راضی ہوگا۔ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ یعنی باغ آسمان میں ہے قُطُوْفُهَا اس کے پھل اور انگور دَانِيَةٌ ان کے قریب ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہے گا: کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ امت نے تجھے ڈھانپ رکھا ہے تو کون ہے؟ وہ کہے گا: میں فلاں بن فلاں ہوں تم میں سے جو بھی ہے اسے اس کی مثل کی بشارت دے دو كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ تم نے دنیا کے ایام میں آگے بھیجا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 83

جب ایک آدمی شر میں سردار تھا، اس کی طرف دعوت دیتا تھا، اس کا حکم دیتا تھا اس پر اس کے پیروکار زیادہ ہو گئے اسے اس کے نام اور اس کے باپ کے نام کے ساتھ ندا کی جائے گی وہ اپنے حساب کے لئے آگے بڑھے گا، اس کے لئے ایک سیاہ کتاب سیاہ تھیلے میں نکالی جائے گی اس کے اندر نیکیاں ہونگی اور اس کے باہر برائیاں ہونگی وہ نیکیوں سے شروع کرے گا انہیں پڑھے گا اور وہ گمان کرے گا کہ وہ نجات پا جائے گا جب کتاب کے آخر تک پہنچے گا تو اس میں یہ پائے گا: ''یہ تیری نیکیاں ہیں جو تجھ پر رد کردی گئی ہیں'' اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا، حزن غالب آجائے گا اور بھلائی سے مایوس ہو جائے گا۔ وہ اپنی کتاب الٹے گا تو اپنی برائیاں پڑھے گا تو اس کے حزن میں اضافہ ہو گا اس کے چہرے کی سیاہی میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا جب کتاب کے آخر تک پہنچے گا تو اس کے آخر میں پائے گا: ''یہ تیری برائیاں تھیں یہ تجھ پر کئی گنا کردی جائیں گی'' یعنی عذاب ان پر کئی گنا کر دیا جائے گا۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اس نے جو عمل نہیں کیا وہ اس پر زائد کر دیا جائے گا۔ کہا: اسے آگ کے لئے بڑا کر دیا جائے گا، اس کی آنکھیں نیلی ہو جائیں گی اور اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا، اسے تارکول کے پاجامے پہنائے جائیں گے اور اسے کہا جائے گا: اپنے ساتھیوں کی طرف جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ ان میں سے ہر انسان کے لئے اسی کی مثل ہے۔ وہ جائے گا: اور کہے گا ہائے کاش! مجھے کتاب نہ دی جائے اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے، ہائے کاش! یہ موت میرا معاملہ تمام کردیتی وہ موت کی تمنا کرے گا۔

هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ تفسیر بیان کی ہے: مجھ سے میری محبت ہلاک ہو گئی (1)؛ یہ مجاہد، عکرمہ، سدی اور ضحاک کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: یہاں سلطان سے مراد دنیا میں جو حکومت و بادشاہت تھی۔ یہ آدمی ایسا تھا جس کے ساتھی اطاعت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ۝** ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک لاکھ فرشتے اس کی طرف جلدی کریں گے پھر اس کے ہاتھ کو اس کی گردن کے ساتھ جمع کر دیا جائے گا اللہ تعالیٰ کے فرمان **فَغُلُّوْهُ** کا یہی مفہوم ہے اسے طوق کے ساتھ جکڑ دو **ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ۝** اسے یوں بنا دو کہ وہ جہنم کی آگ کو تاپ رہا ہے۔ **ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا** اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ یہاں کون سا ذراع ہے؟ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرشتوں کے ہاتھ کے برابر ستر ہاتھ (2)۔ نوف نے کہا: ہر ہاتھ ستر باع کا ہو گا اور ہر باع تیرے اور مکہ کے درمیان کا فاصلہ ہے (3)۔ اس وقت وہ کوفہ کے علاقہ میں تھا۔ مقاتل نے کہا: اگر اس کا ایک حلقہ پہاڑ کی چوٹی پر رکھا جائے تو وہ یوں پگھل جائے جس طرح سیسہ پگھل جاتا ہے۔ کعب نے کہا: اس زنجیر کا ایک حلقہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں کیا **ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا** دنیا کے تمام لوہے کی طرح ہے **فَاسْلُكُوْهُ۝** سفیان نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ اسے اس کی دبر میں داخل کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کے منہ سے نکالا جائے گا؛ یہ مقاتل کا قول ہے معنی ہے پھر اس میں زنجیر داخل کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی گردن میں وہ زنجیر ڈالی جائے گی پھر اس کے ساتھ اسے کھینچا جائے گا۔ حدیث میں آیا ہے: ''وہ اس کی دبر سے داخل کی جائے گی اور اس کے نتھنوں سے نکالی جائے گی'' (4) ایک اور روایت میں ہے: ''اس کے منہ سے داخل کی جائے گی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 85
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 191
3۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 76
4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 361

اور اس کی دبر سے نکالی جائے گی' وہ اپنے ساتھیوں کو ندا کرے گا: کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: نہیں مگر جس ذلت و رسوائی میں تو مبتلا ہے اس کو ہم دیکھ رہے ہیں تو کون ہے؟ وہ اپنے ساتھیوں کو ندا کرے گا: میں فلاں بن فلاں ہوں، تم میں سے ہر انسان کے لئے ایسا ہی عذاب ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ تفسیر صحیح ترین ہے جو اس آیت کے بارے میں کہی گئی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ (الاسراء:71) اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے ہم نے اسے سورۃ الاسراء میں بیان کیا ہے، وہاں سے اس میں غور وفکر کر لے۔

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۙ وَ لَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ؕ یہاں طعام، اطعام کے معنی میں ہے جس طرح عطاء کو اعطاء کی جگہ رکھا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

اَکُفْرًا بعد رَدِّ الموت عَنِّي و بعد عطائك المائة الرِّتَاعَا

کیا اس کے بعد بھی ناشکری ہو سکتی ہے کہ تو نے موت کو مجھ سے دور کیا اور تو نے سو اونٹ دیئے جو چرنے والے تھے۔

اس شعر میں بھی عطاء، اعطاء کے معنی میں ہے۔ اس امر کو واضح کیا انہیں کھانا کھلانے کے ترک اور بخل کا حکم دینے پر عذاب دیا گیا جس طرح کفر کے سبب سے عذاب دیا گیا۔ حض سے مراد برانگیختہ کرنا ہے۔ لفظ طعام میں اصل تو یہ ہے کہ وہ مصدر مقدر کے ساتھ منصوب ہو طعام سے مراد عینی چیز ہے اسے مسکین کی طرف مضاف کیا گیا کیونکہ مسکین اور طعام میں گہرا تعلق ہے جس طرح اطعام عمل کرتا ہے اسی طرح طعام بھی عمل کرتا ہے پس لفظ مسکین کا محل نصب ہے تقدیر کلام یہ ہوگی علی اطعام المطعم المسکین عامل کو حذف کیا اور مصدر کو مفعول کی طرف مضاف کیا گیا۔

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۙ وَّ لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۙ لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ؕ

''پس آج یہاں ان کا کوئی دوست نہیں اور نہ کوئی طعام بجز پیپ کے، جسے کوئی نہیں کھاتا بجز خطا کاروں کے''۔

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ؕ له، لیس کی خبر ہے ھاھنا اس کی خبر نہیں کیونکہ اسے خبر بنایا جائے تو معنی یہ بنتا ہے وہاں کھانا نہیں مگر غسلین۔ یہ صحیح نہیں کیونکہ وہاں غسلین کے علاوہ بھی کھانا ہے ھاھنا اس فعل کے متعلق ہے جو لہ کے معنی میں پایا جاتا ہے۔ یہاں حمیم سے مراد قریبی ہے یعنی اس کا کوئی قریبی نہیں جو اس کے لئے نرمی کرے اور اس کا دفاع کرے۔ یہ حمیم سے ماخوذ ہے جس کا معنی گرم پانی ہے کیونکہ دوست وہ ہوتا ہے جو اس کے لئے نرمی کرتا ہے اور اس کا دل اس کے لئے جلتا ہے۔

غِسْلِيْنٍ، یہ غسل سے فعلین کا وزن ہے گویا یہ ان کے بدنوں سے نچڑتا ہے، یہ جہنمیوں کی پیپ ہے جو ان کے زخموں اور شرمگاہوں سے بہتی ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ضحاک اور ربیع بن انس نے کہا: اس سے مراد ایسا درخت ہے جسے جہنمی کھاتے ہیں غسل سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ سر کو دھویا جاتا ہے جس طرح خطمی مٹی وغیرہ (1)۔ اخفش نے کہا: اسی سے غسلین ہے اس سے مراد وہ چیز ہے جو جہنمیوں کے گوشت اور خون سے بہتی ہے اس میں یا اور نون کا اضافہ کیا گیا ہے جس طرح سفرین میں اضافہ کیا گیا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد سب سے برا کھانا ہے۔ ابن زید نے کہا: نہ اس کا پتہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 446

ہے اور نہ ہی زقوم کا پتہ ہے کہ وہ کیا ہے؟ ایک اور موقع پر کہا: لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ۝ (الغاشیہ)۔ یہ بھی جائز ہے کہ ضریع بھی غسلین ہی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کلام میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے آج ان کے لئے وہاں کوئی کھانا نہیں مگر غسلین۔ وہ گرم پانی ہوگا۔

الطعام ان کے لئے ایسا کھانا نہیں ہوگا جس سے وہ نفع اٹھا سکیں۔ لَّا يَأْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ۝ خاطئون سے مراد گناہ گار ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد مشرکین ہیں۔ اسے الخاطیون بھی پڑھا گیا ہے ہمزہ کو یاء سے بدلا گیا ہے اسے حذف کر کے الخاطون بھی پڑھا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ خاطون کیا ہے؟ ہم میں سے ہر کوئی قدم اٹھاتا ہے۔ ابوالاسود نے ان سے روایت نقل کی ہے: یہ خاطون کیا ہے؟ صابون کیا ہے یہ اصل میں صابئون ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مراد وہ لوگ ہوں جو حق سے باطل کی طرف قدم بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ۝ وَ مَا لَا تُبْصِرُوْنَ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ۝

''پس میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے، بے شک یہ قول ہے عزت والے رسول کا''۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ۝ وَ مَا لَا تُبْصِرُوْنَ۝ معنی ہے میں تمام اشیاء کی قسم اٹھاتا ہوں جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے اور زائد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے ساتھ سابقہ کلام کا رد کیا گیا ہے (1) یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح مشرک کہتے ہیں: مقاتل نے کہا: اس کا سبب یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ نے کہا: بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جادوگر ہیں (2)۔ ابوجہل نے کہا: وہ شاعر ہیں۔ عقبہ نے کہا: وہ کاہن ہیں۔ نعوذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَاۤ اُقْسِمُ یعنی میں قسم اٹھاتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں لا قسم کی نفی کے لئے ہے کیونکہ حق واضح ہے اس لئے قسم اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر اس کا جواب جواب قسم کی طرح ہے اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ضمیر سے مراد قرآن ہے (3)۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد حضرت جبریل امین ہیں (4)؛ یہ حضرت حسن بصری، کلبی اور مقاتل کا قول ہے اس کی دلیل: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ (التکویر) ہے کلبی اور قتیبی نے کہا: یہاں رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ (5) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (6) قول کی نسبت رسول کی طرف اس لئے کی کہ آپ اس کی تلاوت کرنے والے، اس کی تبلیغ کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں جس طرح ہمارا قول ہے: یہ امام مالک کا قول ہے۔

وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ۝ وَ لَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۝

''اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں لیکن تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے تم لوگ بہت کم توجہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 86
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً
4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 191
5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 447
6۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 86

کرتے ہو"۔

وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ یہ شعر کی تمام اقسام سے جدا ہے وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ یہ قرآن شیاطین کو سب وشتم کرتا ہے تو جو انہیں سب وشتم کرے اس پر وہ کوئی چیز کیا نازل کریں گے۔ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ اور قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ میں ما زائدہ ہے معنی ہے تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ ان کے قلیل ایمان سے مراد یہ ہے کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے: انہیں کس نے پیدا کیا؟ وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے۔ یہ جائز نہیں کہ ما فعل کے ساتھ مل کر مصدر کے حکم میں ہو اور ما کا مابعد قَلِيْلًا کو نصب دے کیونکہ اس صورت میں صلہ کا موصول پر مقدم ہونا لازم آتا ہے کیونکہ مصدر جس میں عمل کرتا ہے وہ اس کا صلہ ہوتا ہے۔ ابن محیصن، ابن کثیر، ابن عامر اور یعقوب نے مایومنون اور یذکرون پڑھا ہے(1) باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اس سے قبل اور اس سے بعد خطاب کے صیغے ہیں جہاں تک ماقبل کا تعلق ہے وہ تُبْصِرُوْنَ ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝

" بلکہ یہ نازل شدہ ہے رب العالمین کا۔ اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں منسوب کرتے تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور بے شک یہ تو ایک نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے"۔

تَنْزِيْلٌ یہ اصل میں ھو تنزیل ہے مبتدا محذوف ہے مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس کا عطف اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ پر ہے یعنی رسول کریم کا قول ہے اور یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ تقول کا معنی ہے اس نے تکلف سے کام لیا اور اس نے اپنی جانب سے قول کیا۔ اسے مجہول کا صیغہ تُقُوِّلَ بھی پڑھا گیا ہے لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ یمین سے مراد قوت اور قدرت ہے یعنی ہم اسے قوت سے پکڑ لیتے۔ من زائدہ ہے۔ قوت اور قدرت کو یمین سے تعبیر کیا کیونکہ ہر شی کی قوت اس کی دائیں جانب میں ہوتی ہے؛ یہ قتیبی کا قول ہے؛ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول ہے؛ اس معنی میں شماخ کا قول ہے:

إذا ما رايةٌ رفعت لِمَجْدٍ تلقاها عَرابة باليمين (2)

جب کبھی بزرگی کے لئے جھنڈا بلند کیا جائے تو عرابہ اسے قوت کے ساتھ لے لیتا ہے۔

عرابہ انصار میں قبیلہ اوس کا ایک فرد تھا۔ ایک اور شاعر نے کہا:

ولما رأيتُ الشمس أشرق نورُها تناولتُ منها حاجتي بيميني

جب میں نے سورج کو دیکھا اس کا نور روشن تھا میں نے اس سے اپنی حاجت اپنی قوت سے لی۔ سدی اور حکم نے کہا: یمین کا معنی حق ہے؛ دلیل کے طور پر یہ مصرعہ ذکر کیا ہے: تلقاها عرابة باليمين عرابہ نے اسے استحقاق رکھتے ہوئے لیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے ہم اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم اس کے دائیں ہاتھ کو

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 447 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 86

تصرف سے روک لیتے۔ یہ نفطویہ کا قول ہے۔ ابو جعفر نے کہا: یہ کلام اس طریقہ پر آیا ہے جس طرح لوگوں کی عادت ہے جس کو ذلیل کرنے کا پروگرام ہو اور اس کو سزا دینی ہو تو اس کا دایاں ہاتھ پکڑا جاتا ہے جس طرح سلطان جس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے اس کے بارے میں حکم دیتا ہے: اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لو۔ یعنی ہم نے اس کے ہاتھ کو پکڑنے کا حکم دیا اور اس کے سزا دینے میں مبالغہ سے کام لیا۔

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ ہم نے اس کی شاہ رگ کاٹ دی یعنی ہم نے اسے ہلاک کر دیا (1)۔ یہ ایسی رگ ہے جس کے ساتھ دل متعلق ہوتا ہے جب وہ رگ کٹ جائے تو وہ آدمی مر جاتا ہے: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر لوگوں کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ دل کی وہ ڈوری ہے جو پشت میں ہوتی ہے جو حرام مغز ہے جب یہ ٹوٹ جائے تو تو تیں باطل ہو جاتی ہیں (2) اور وہ آدمی مر جاتا ہے موتون اسے کہتے ہیں جس کی وتین کاٹ دی جائے۔ محمد بن کعب نے کہا: اس سے مراد دل اور اس کے ساتھ والی چیزیں ہیں (3)۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد علباء اور حلقوم کے درمیان رگ ہے۔ علباء سے مراد گردن کا پٹھا ہے، وہاں دو پٹھے ہیں جن دونوں کے درمیان رگ پیدا ہوتی ہے۔ عکرمہ نے کہا: وتین کو جب کاٹا جائے تو اس کے بھوکے ہونے کا پتہ چلتا ہے اور نہ اس کے سیر ہونے کا پتہ چلتا ہے (4)۔

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

''پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہیں ہوتا اور بیشک یہ تو نصیحت ہے پرہیزگاروں کیلئے''۔

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ ما نافیہ ہے احد جمع کے معنی میں ہے اس وجہ سے اس کی صفت جمع سے لگائی گئی ہے یعنی تم میں سے کوئی ایسی قوم نہیں جو اس سے روکنے والی ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ** (البقرۃ: 285) یہاں بھی احد جمع پر دال ہے کیونکہ بین کا لفظ دو یا زیادہ افراد پر ہی داخل ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لم تحل الغنائم لاحد سود الرءوس قبلکم تم میں سے کسی سردار کے لئے غنیمت حلال نہیں تھی۔ یہاں بھی لفظ احد ہے اس کا معنی جمع کا ہے اور بینہ زائد ہے حجز کا معنی روکنا ہے **حٰجِزِيْنَ** کے بارے میں جائز ہے کہ یہ احد کی صفت ہو معنی کے اعتبار سے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے تو یہ محل جر میں ہوگا۔ خبر منکم ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ منصوب ہو اور خبر ہو اور منکم ملغا ہو اور **حٰجِزِيْنَ** کے متعلق ہو اس میں خبر کے منصوب ہونے میں یہ مانع نہیں جس طرح ان فیک زیدا راغب میں فصل مانع نہیں **وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ** ضمیر سے مراد قرآن ہے قرآن ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس کی مثل **فِيْهِ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ** ۝ (بقرہ) ہے جس طرح ہم نے سورۂ بقرۃ کے آغاز میں بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت، رحمت اور نجات ہیں (5)۔

وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ۝ وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 2، صفحہ 192 | 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 447 | 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 86

4۔ ایضاً | 5۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 87

الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

''اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں۔ اور یہ باعث حسرت ہوگی کفار کے لئے اور بیشک یہ یقیناً حق ہے۔ پس (اے حبیب!) آپ تسبیح کیا کریں اپنے رب کی جو عظمت والا ہے''۔

وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ ربیع نے کہا: قرآن کو جھٹلانے والے ہیں (1)۔ وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ ضمیر سے مراد تکذیب ہے، حسرت سے مراد ندامت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے روز قرآن کافروں کے لئے حسرت ہوگا جب وہ مومنوں کا ثواب دیکھیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دنیا میں ان کے لئے حسرت ہوگی جب وہ معاوضہ پر قادر نہ ہوں گے جب انہیں چیلنج کیا گیا کہ وہ قرآن کی مثل کوئی سورت لے آئیں۔

وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہے وہ حق یقین ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر یقینی اور حق ہے کہ یہ قیامت کے روز ان کے لئے حسرت ہوگی۔ اس تعبیر کی بنا پر حسرۃ، تحسر کے معنی میں ہوگا۔ یہ مصدر ہے جو تحسر کے معنی میں ہے اس کے لئے ضمیر کا مذکر ذکر کرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بیشک یہ تیرے اس قول کی طرح ہے لعین الیقین، محض الیقین اگر یقین صفت ہو تو اس کی طرف مضاف کرنا جائز نہ ہو جس طرح تو کہتا ہے: ھذا رجل الظریف۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے (2): لفظوں کے اختلاف کی وجہ سے اپنی ذات کی طرف مضاف کیا۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾ اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی سوء اور نقائص سے پاکی بیان کرو۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 87 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 447